امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایامِ عسر و یسر

حضرت مولانا سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابریؒ

(گزشتہ سے پیوستہ)

اور یہ تو اس وقت ہے، جب ابن زولاق کے الفاظ "فحدثہ بہ،، میں "حدث،، کا فاعل امام طحاوی کو قرار دیا جائے جو متبادر ہے لیکن اگر اس کا فاعل ابن زبر ہی ہو، اور مطلب یہ لیا جائے کہ جس حدیث کے متعلق اس نے باور کرایا تھا کہ بالواسطہ آج سے تیس سال پہلے میں نے اس کو لکھا ہے۔ یہ بتانے کے لئے میں اس کو بھولا نہیں ہوں، یعنی آپ کا بڑا قدر دان ہوں، اس کے ثبوت میں اس حدیث کو زبانی امام کے سامنے اس نے پڑھ دیا ہو، تو اس مطلب کی یہی گنجائش ہے، بلکہ اگر بلا واسطہ شاگرد بننے کی بھی خواہش ہو، تو عرض علی الشیخ کے طور پر اس کی سند بجائے بالواسطہ کے امام طحاوی کے ساتھ بلا واسطہ متصل ہو جاتی ہے۔

قاضی ابن زبر کے متعلق ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ جناب کی تصنیفات عالیہ میں ایک کتاب "تشریف الفقر علی الفنا،، بھی ہے۔ الذھبی نے جہاں ان کی کتابوں کی فہرست دی ہے۔ اس کتاب کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ٹھیک جس سال امیر تکین جو ابن زبر کے پشت پناہوں میں تھا، وہ مصر کا اس زمانہ میں والی (گورنر) تھا۔ اتفاق سے ملول ہو گیا۔ حالت روز بروز بد سے بدتر ہونے لگی۔ ابن زبر کو اندیشہ ہوا کہ امیر اگر کہیں لڑھک گیا تو مصر کی عام پبلک میری تکا بوٹی کر کے رکھ دے گی۔ بڑا پریشان ہوا۔ اس زمانہ میں ایک شافعی عالم اسمعیل بن عبدالواحد پر امیر تکین بہت اعتماد کرتا تھا مصر میں موجود تھے۔ ان کی خوشامد برآمد کر کے اس نے راضی کیا کہ امیر سے میری رخصت منظور کرالو، میں گھر دمشق جانا چاہتا ہوں۔ وہاں سخت ضرورت ہے اور یہ بھی کہا کہ میری جگہ منصرمانہ طور پر آپ ہی کام بھی کیجئے، اسمعیل راضی ہوئے لیکن امیر تکین راضی نہیں ہوتا تھا۔

فلم یزل ابو ھاشم یکلم الامیر حتی اذن لہ فی ذالک

ابو ہاشم (اسمعیل بن عبدالواحد) بار بار امیر تکین سے ابن زبر کی چھٹی کے متعلق اصرار کرتے رہے، تا آنکہ اس کو رخصت مل گئی۔

رخصت کی منظوری جونہی ملی، ابو ہاشم اسمعیل کو چارج دے کر سیدھے دمشق بھاگا، یہ سنہ ۳۲۱ کا واقعہ ہے اور خدا کی شان دیکھئے کہ اس سال حضرت امام ابوجعفر الطحاوی کی وفات ہوتی ہے، ابن خلکان اور

دوسرے مورخوں کا اتفاق ہے کہ **وتوفی سنة احدی وعشرین وثلاث مائة (ص۱۱۹ ج)**
طحاوی کی ۳۲۱ھ میں وفات ہوئی۔ یعنی امام کی وفات سنہ ۳۲۱ میں ہوئی البتہ ابن زبر مصر سے جان بچا کر اسی سال کے جمادی الاول میں بھاگا ہے اور ہمارے امام کی وفات چونکہ ذیقعدہ کی پہلی تاریخ کو ہوئی جیسا کہ ابن خلکان نے تصریح کی ہے کہ **لیلة الخميس مستهل ذو القعده** جمعرات ذوالقعدہ کی پہلی تاریخ تھی، گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ ابن زبر کی روانگی کے سات مہینہ بعد امام طحاوی نے رحلت فرمائی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چند مہینہ امام پر مرض الموت کے گزرے، کیونکہ ابن زبر کے بعد جمادی الثانی سنہ ۳۲۱ میں مشہور اسلامی مصنف عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری المعروف بابن قتیبۃ کے صاحبزادے احمد بن عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ کو ہم مصر کا قاضی پاتے ہیں۔ ابن خلکان نے ان ہی ابن قتیبۃ قاضی کے متعلق لکھا ہے کہ **تولى القضاء بمصر وقدمهافي ثامن عشر من جمادىٰ الاخرةسنه احدى وعشرون وثلاث مائة (ص۲۵۱ ج۱)**

قاضی ابن قتیبۃ قطع نظر اس کے کہ بڑے باپ کے بیٹے تھے خود بھی اپنے وقت کے مسلم الثبوت علماء اور مصنفین میں شمار ہوتے ہیں، ان کی کتابیں ''ادب الکاتب،، اور ''اصلاح المنطق،، اب بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ایسے علم دوست اور علمی گھرانے کے قاضی سے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی کا جو مقام اس وقت مصر میں قائم ہو چکا تھا، ان سے وہ باوجود موانع نہ ہونے کے ملاقات نہ کرتے، غالب قرینہ ہے کہ امام کی حالت سقیم ہو چکی ہوگی اور خود بیچارے قاضی ابن قتیبۃ کچھ مطمئن بھی نہ تھے۔ رفع الاصر کے حوالہ سے تو یہ نقل کیا گیا ہے کہ مصری جن پر مروانیت کہئے، یا جیسا وہ کہتے تھے عثمانیت کا زیادہ غلبہ تھا۔ قاضی ابن قتیبۃ جب قضاء کا چارج لینے کے لئے جامع مسجد کی طرف عباسیوں کے مشہور سیاہ رنگ کے لباس میں روانہ ہوئے تو **فثار عليه العامة فرجموه ومزقوا اسواده ص ۵۴۶** عوام ان کے خلاف بھڑک اٹھی اور ان پر پتھر برسانے لگے اور اس فرعونی سلوک کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوا کہ پانچ مہینہ سے زیادہ قاضی رہ بھی نہ سکے۔ غالباً ان ہی پریشانیوں میں وہ الطحاوی کی عیادت کو بھی نہ گئے، یا شاید اہل تاریخ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ خیر کچھ بھی ہو عجیب اتفاق ہے کہ ٹھیک ذیقعدہ سنہ ۳۲۱ کی پہلی تاریخ کو امام کا انتقال ہوتا ہے اور الکندی کے ملحقات میں غالباً معجم الادباء کے حوالہ سے یہ فقرہ منقول ہے کہ

قاضی ابن قتیبۃ: **صرف عن القضاء فی آخری ذی القعده سنة ۳۲۱**
ماہ ذوالقعدہ ۳۲۱ھ کے آخر میں عہدہ قضاء سے ہٹادیے گئے۔

گویا امام طحاوی کی وفات کے پندرہ بیس دن بعد ابن قتیبۃ کا بھی عہدہ قضاء سے انتقال ہوگیا اور چند ہی دن بعد یعنی سنہ ۳۲۲ کی ربیع الاول میں دنیا سے بھی چل بسے۔

☆حافظ علی تکبیرۃ الاحرام جماعۃ ہواکثر المکث فی المسجد ہوعود نفسک المبادرۃ للصلاۃ ہلتجد السرور.☆

خلاصہ یہ ہے کہ عرب کے چند قبائل جن کی طرف الازدی کی نسبت کی جاتی ہے ان میں سے ازدحجر کا ایک خاندان مصر کے طحایا طحیۃ یا جیسا کہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب لباب فی تحصیح الانساب میں لکھا ہے کہ طحانہیں بلکہ طحا کے قریب ایک اور گاؤں طحطوطہ ہے وہاں یہ خاندان آ کر آباد ہو گیا تھا۔ مجھے اس کا پتہ نہ چل سکا کہ عرب سے منتقل ہو کر شروع شروع میں اس خاندان کے کون آدمی طحا میں آ کر سکونت پذیر ہوئے۔سلمۃ بن القاسم الاندلسی نے اپنی تاریخ کے صلہ میں یہ جونسب نامہ امام طحاوی کا دیا ہے یعنی :احمد بن محمدبن سلمة بن عبدالملک بن سليم بن سليمان بن حباب.....

اس سے غالب قرینہ یہ ہے کہ ان میں ساتویں آدمی حباب یہی ''البدو،، سے نکل کر ''مصر،، پہونچے۔ دوسرا دو صدیوں میں سات پشتوں کا گزر جانا محل تعجب نہیں ہے بلکہ زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ ایک ایک صدی میں تین پشتیں گزرتی ہیں۔

بہر حال اسی خاندان کے ہمارے امام ابوجعفر طحاوی سنہ ۲۳۸ یا جیسا کہ السمعانی نے ''ھوالصحیح ،، کہتے ہوئے سنہ ۲۳۹ کو ترجیح دی ہے،۱۱/ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور تقریباً ۸۲ سال تک اس دنیا کے مختلف نشیب وفراز سے گزرتے ہوئے سنہ ۳۲۱ ہجری یکم ذیقعدہ کو جان جہان آفرین کے سپرد کی،ابن خلکان نے لکھا ہے **دفن بالقرافةوقبره مشهور بها** (ص۱۹ج۱)

قرافہ میں دفن ہوئے اور وہاں آپ کی قبر مشہور ہے۔اولاد کی پوری تفصیل اب تک مجھے نہیں مل سکی صرف ان کے ایک صاحبزادے ابوالحسن علی بن احمد اور علی بن احمد کے صاحبزادے یعنی امام طحاوی کے پوتے ابوعلی الحسن بن علی کا کتابوں میں لوگ تذکرہ کرتے ہیں۔المعانی نے لکھا ہے:

ان ابنه ابن (ابو جعفر الطحاوی)ابو الحسن علی بن احمد الطحاوی یروی عن ابی عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی وغیره توفی سنة ۳۵۱ وحفیده ابوعلی الحسن ابن علی بن احمد الطحاوی توفی فی الربیع الاخر سنة ۳۶۰

ان کے صاحبزادے ابوالحسن علی بن احمد طحاوی جن کا انتقال سنہ ۳۵۱ میں ہوا۔امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے پوتے ابوعلی حسن بن علی بن احمد طحاوی کا ماہ ربیع الآخر سنہ ۳۶۰ میں انتقال ہوا۔

خیر یہ تو رسمی عام حالات ہیں، ہر شخص جو پیدا ہوتا ہے وہ کہیں پیدا ہوتا ہے کسی سنہ میں پیدا ہوتا ہے، کسی سنہ ہی میں مرتا ہے اور کسی مقام ہی میں دفن ہوتا ہے، کچھ لوگ اولاد بھی چھوڑتے ہیں۔اسی طرح غربت سے امارت، جہل کے بعد علم یہ بھی چنداں خصوصیت کی بات نہیں اور گو عام کتابوں میں امام کے حالات ایک صفحہ دو صفحہ سے زاید نہیں ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلہ میں ہزار ہا صفحات کے پڑھنے سے جو متفرق

اجزاء مجھے ملتے چلے گئے ان کو ایک خاص ترتیب سے جمع کرنے کی غالباً مجھے پہلی دفعہ سعادت نصیب ہوئی۔ ورنہ جہاں تک میرا مطالعہ ہے، اس وقت تک امام کے حالات پر مستقلا کوئی کتاب نہیں پائی جاتی۔ عامہ اہل تراجم وتذکرات ان کے ترجمہ کو صفحہ دو صفحہ پر ختم کردیتے ہیں اور یہ پہلی دفعہ امام کے حالات کا اتنا ذخیرہ ایک جگہ بحمداللہ جمع ہوگیا۔

لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ پھر اس مسئلہ کی طرف رجوع کروں جس کی طرف شروع سے میں اشارہ کرتا چلا آیا ہوں۔ مصر کا آئمہ ثلاثہ امام مالک وشافعی وابوحنیفہ کے فقہ سے ابتدائی صدیوں میں جو تعلق رہا ہے، اسے تفصیلاً بتا چکا ہوں۔ پھر امام طحاوی کے ماموں اور امام شافعی کے شاگرد ابوابراہیم اسمعیل المزنی الامام اور قاضی بکار کے تعلقات پر میں نے روشنی ڈالی تھی۔ بتایا تھا کہ امام مزنی سے جدا ہو کر امام طحاوی قاضی بکار کے سکریٹری بھی رہے اور ان سے پڑھتے بھی رہے۔ اسی زمانہ میں قاضی بکار کا مزنی کی کتاب مختصر کو دیکھ کر حنفی مذہب کی تائید اور امام شافعی کی تردید میں ایک ''کتاب جلیل،، کی تصنیف میں مشغول ہونا اور اسی کو میں نے امام طحاوی اور امام مزنی کے تعلقات کے خراب ہونے کا سبب قرار دیا تھا، عجب بات ہے کہ سلف کی جتنی کتابیں اس باب میں اب تک میری نظر سے گزری ہیں، ان میں مزنی اور طحاوی کے درمیان کس مسئلہ پر اختلاف ہوا، اس کی تصریح نہیں ملی۔ صرف بعد کو ابن عساکر ابوسلیمان بن ترب کے حوالہ سے تاریخ دمشق میں اتنا اضافہ ملا کہ جھگڑے کا سبب یہ ہوا کہ

تکلم الطحاوی یوما بحضرۃ المزنی فی مسئلۃ فقال لہ المزنی الخ (تلخیص ابن عساکر ص ۲۴)

''چونکہ مسئلہ،، کا لفظ عموماً جب بولا جاتا ہے تو اس سے علمی مسئلہ ہی مراد لیا جاتا ہے، اس لئے اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ گفتگو علمی مسئلہ میں ہو رہی تھی۔ لیکن حیرت ہے کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی جن کے ماخذ تقریباً وہی کتابیں ہیں جن سے میں نے مواد فراہم کیا ہے لیکن انہوں نے خدا جانے کس سند کی بنیاد پر اپنی کتاب ''الفوائد البہیۃ،، میں اس جھگڑے کا ذکر کرتے ہوئے ارقام فرمایا ہے کہ

کان الطحاوی یکثر النظر فی کتب ابی حنیفہ فقال لہ المزنی لایجتنی منک (مطبوعہ ہند ص ۱۸)

طحاوی امام ابوحنیفہ کی کتابیں اکثر مطالعہ کرتے تھے تو ان سے امام مزنی نے فرمایا تجھ سے کوئی کام نہیں ہوگا۔

اگر مولانا مرحوم کا یہ بیان قیاسی نہیں ہے بلکہ کسی تاریخی حوالہ پر مبنی ہے تو پھر جس نتیجہ تک میں عقلی اور قیاسی قرائن کی روشنی میں پہونچا ہوں، اس کی گونہ تاریخی تائید بھی مہیا ہو جاتی ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے کچھ اس میں زلت قلم ہوئی ہے کیونکہ اب تک کسی کتاب میں اتنی صاف صراحت اس مسئلہ کی مجھے نہیں ملی۔ میرا گمان ہے خدا کرے کہ غلط ہو کہ ابن خلکان نے المزنی کہ متعلق جو امام طحاوی کے واسطے سے یہ

نقل کیا ہے کہ جب مذہب بدلنے کے متعلق ان سے سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے ماموں مزنی کو دیکھتا تھا کہ (کان یدیم النظر الی کتب ابی حنیفه ص ۹) شاید کچھ اسی سے خلط مبحث ہوا ہے اور اسی وجہ سے شروع میں مولانا کے اس قول کو میں نے پیش نہیں کیا۔ قریب قریب شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی یہ ہی کیا ہے (که المزنی طحاوی راتعییربه بلادت کردص ۸۰) حالانکہ یہ قیاساً تو کہا جاسکتا ہے لیکن مورخین نے اس کی تصریح نہیں کی ہے۔ بہر حال اگر ان حضرات نے ان فقروں کو کسی معتبر مورخ کی کتاب سے نقل فرمایا ہے تو مسئلہ اور زیادہ صاف ہو جاتا ہے۔

اب میں پھر اس سلسلہ کے آئندہ واقعات پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ قاضی بکار نے اس وقت جب طحاوی ان کے ساتھ تھے المزنی کی مختصر کے مقابلہ میں اپنی ''کتاب جلیل،، جو تصنیف کی، چونکہ اس کتاب کی تصنیف میں بطور مددگار کے امام طحاوی کی شرکت یقینی ہے۔ آخر وہ اسی شافعیت اور حنفیت کے قصہ میں تو اپنے ماموں کے یہاں سے الگ ہوئے تھے اور جیسا کہ میرا خیال ہے جھگڑے میں شدت قاضی بکار کی اس تصنیف جلیل کی بدولت پیدا ہوئی۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ طحاوی سے زیادہ اس کتاب سے اور کس کو دلچسپی ہو سکتی تھی۔ مگر جب قاضی بکار عہدہ قضاء سے الگ ہو گئے اور ان کی وجہ سے طحاوی بھی معاشی مشکلات میں مبتلا ہوئے۔ میں نے بتایا تھا، امام پر جس وقت یہ افتاد پڑی اس وقت تک مزنی زندہ تھے۔ اس مصیبت میں ہو سکتا تھا کہ اپنے سرپرست قاضی بکار کو حکومت کے عتاب اور ایسے سخت عتاب میں پا کر وہ اپنے ماموں کی پناہ ڈھونڈتے لیکن جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیرت مند بھانجے کو ماموں کے الفاظ سے اتنا صدمہ پہونچا تھا کہ اس حال میں بھی وہ ان کی طرف رجوع نہ ہوئے، حالانکہ اس حال میں وہ برسوں مبتلا رہے، خدا ہی جانتا ہے کہ اس زمانہ میں ان کے بسر اوقات کی کیا صورت تھی، حکومت بگڑی ہوئی، موروثی جائیداد پر چچا کا قبضہ، اسی لئے جہاں تک میرا قیاس ہے کہ مزنی کی زندگی میں براہ راست تصنیف وتالیف میں مشغول ہونے کا طحاوی کو موقعہ نہ ملا۔ ماموں نے ان کے متعلق جو پیشن گوئی ناکامی ونامرادی کی کی تھی، ایک طرح سے ان کی زندگی تک گویا پوری ہی ہو رہی تھی۔ طحاوی چاہتے ہونگے کہ کاش! کچھ بھی فرصت میسر ہو تو میں ان کو اپنا جوہر دکھاؤں لیکن بیچارے کو زمانے کے سخت ہاتھوں نے اس کا موقعہ نہ دیا، تا اینکہ طحاوی کو اس حال میں چھوڑ کر سنہ ۲۶۴ھ میں امام مزنی کا انتقال ہو گیا، مگر طحاوی کی مصیبت پھر بھی ختم نہ ہوئی۔ بالآخر خدا خدا کر کے المزنی کی وفات کے بارہ تیرہ برس بعد قاضی محمد بن عبدہ کے زمانہ میں ان کا ''عسر،، ''یسر،، سے بدلا، بجز چند دنوں کے جب خلیفہ ابن ابانے آپ کو جیل بھیج دیا تھا لیکن یہ ایک فوری مصیبت تھی، جو ٹل گئی پھر ان کو اس قسم کی پریشانیوں سے سابقہ نہ پڑا۔ حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی کو قاضی محمد بن عبدہ کے سکریٹری

ہونے کے بعد چوالیس۴۴ سال کی طویل مدت ایسی ملی، جس میں وہ اطمینان سے جس حد تک دنیا میں آدمی کو یہ لفظ ناشرمندہ معنی مل سکتا ہے، کام کرنے کا اوراپنی زندگی کے نصب العینوں کی تکمیل کا موقع ملا۔ یوں تو عام طور پر لوگ ملاعلی قاری کے طبقات کے حوالہ سے طحاوی کی تالیفات کے متعلق یہ فقرہ نقل کرتے ہیں اورشروع میں تقلیداً میں نے بھی اس کو نقل کیا ہے یعنی ان معانی الاثار اول تصانيفه ومشكل الاثار آخر تصانيفه(الدرة البهيه ص ۱۸)

معانی الآ ثاران کی پہلی تصنیف ہے اورمشکل الآ ثاران کی آخری تصنیف ہے۔ الدرۃ البھیۃ ص ۱۸)

ممکن ہے کہ ملاعلی قاری نے یہ حوالہ کسی معتبر کتاب سے اخذ کیا ہو لیکن باوجود تلاش کے متقدمین کی کتابوں میں اب تک مجھے یہ چیز نہیں ملی۔

جہاں تک میرا خیال ہے معانی الآ ثار اگر اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر واقع میں لکھی گئی ہے، جس کا اظہار امام نے اس کتاب کے دیباچہ میں فرمایا ہے کہ

سالنى بعض اصحابنامن اهل العلم ان اضع له كتاباذكر فيه الآثار الماثورة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الاحكام اللتى يتوهم اهل الالحاد والضعفة من اهل الاسلام ان بعضهاينقض بعضها(ص ۱)

بعض اہل علم نے مجھ سے خواہش کی کہ میں ان کے لئے ایک ایسی کتاب لکھوں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جو احکام سے متعلق ہیں جن کے متعلق اہل الحاد اور مسلمانوں میں سے علم میں کمزور لوگ ان کو ایک دوسرے کے معارض سمجھتے ہیں۔

جس سے معلوم ہوتا ہے ''معانی الآ ثار،، انھوں نے گویا ان لوگوں کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے، جو ایمانی کمزوری اور جہالت کی وجہ سے حدیثوں کی صحت کے سرے سے منکر تھے۔ گویا اس کتاب کے براہ راست تعلق حنفی اورشافعی اختلاف سے نہیں ہے کیونکہ خدانخواستہ وہ شوافع کو اہل الالحاد اور''ضعیفۃ،، اہل الاسلام،، کیسے کہہ سکتے ہیں جو حدیثوں کے علمبردار ہیں بلکہ بہ نسبت اورآئمہ کے حدیثوں کے مسئلہ میں گویا زیادہ بدنام ہیں جس کی طرف میں نے تمہید میں کچھ اشارہ بھی کیا ہے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ اس نقطہ نظر سے امام طحاوی کے سب سے پہلے کتاب لکھنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ جن واقعات وحالات کا میں ذکر کر چکا ہوں اگر ان کو سامنے رکھا جائے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ سب سے پہلے جس تصنیفی کام کی ان میں صلاحیت اور جس کا سلیقہ پیدا ہوسکتا تھا وہ وہی چیز ہوسکتی ہے۔ جس کی مشق انھوں نے قاضی بکار کی صحبت میں بہم پہونچائی تھی اور جس کی لوان کو شروع سے لگی ہوئی تھی، اس لحاظ سے میں اگر دعوی کروں کہ امام نے سب سے پہلے جو کتاب لکھی ہے وہ ان کی وہی کتاب

ہوسکتی ہے جس کا نام مختصر الطحاوی ہے اور جو آپ کے ماموں المزنی کی کتاب مختصر المزنی کی ٹکر پر لکھی گئی ہے کیونکہ اس کتاب میں تقریباً وہی مضامین بیان کئے گئے ہیں جن پر قاضی ''بکار،، کی کتاب مشتمل تھی۔ اپنی مختصر کے دیباچہ میں طحاوی خود ہی ارقام فرماتے ہیں:

جمعت کتابی ھذااصناف الفقه اللتی لایسمع الانسان جهلهاوبینت الجوابات عنهامن قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد.

میری اس کتاب میں میں نے فقہ کی ان انواع کو جمع کیا ہے جس سے کوئی انسان ناواقف نہیں رہ سکتا اور ان کے جوابات میں نے امام ابوحنیفہ اور ابویوسف اور امام محمد کے اقوال سے بیان کئے ہیں۔

یہ ''دیباچہ،، حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں نقل کیا ہے پھر اس کے شارح احمد بن علی الوراق کے حوالہ سے اس کتاب کے متعلق اتنا اور اضافہ کیا ہے۔

اذکان ھذاالکتاب یشتمل علی عامة مسائل الخلاف وکثیرقمن الفروع (ص ۲۴۱ جلد ۱)

یہ کتاب اکثر اختلافی مسائل اور بکثرت اختلافی فروعات پر مشتمل ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ''قاضی بکار،، کی طرح زیادہ تر خلافیاتی فروع پر امام ابی حنیفہ اور قاضی ابویوسف امام محمد کے نقاط نظر سے بحث کی گئی ہے اور سچ پوچھئے تو یہ دراصل ''المزنی،، کی مختصر کا ''قاضی بکار،، کی کتاب کے بعد دوسرا جواب ہے، صرف اس لئے نہیں کہ اس کا بھی نام مختصر ہے بلکہ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ امام طحاوی نے اپنی اس مختصر کو...... **الفه صغیرا وکبیرا ورتبه کترتیب المزنی (ص ۲۴۱)**...... آپ نے امام مزنی کی ترتیب پر مختصر صغیر مختصر کبیر لکھی۔

گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ ''قاضی بکار،، کی کتاب کا ''مختصر الطحاوی،، نقش ثانی ہے، اس کی مشق اپنے استاد اور قاضی سے کی تھی۔ اسی لئے اس پر سب سے پہلے قلم اٹھایا، بلکہ اس کتاب کا لکھنا تو ان کی زندگی کا ایک بڑا نصب العین تھا۔ ماموں کو چھوڑ کر بھاگے تھے۔ انھوں نے نامرادی کی بددعا دی تھی، وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ جو کمال آپ نے شافعی مذہب میں حاصل کیا ہے، اگر حنفی مذہب جس کی تائید کے جرم میں، میں سرایا گیا ہوں، وہی کمال حاصل کر کے نہ دکھایا تو بات ہی کیا ہوئی۔ مورخین باتفاق لکھتے ہیں کہ:

لماصنف مختصره قال رحم الله اباابراهیم لوکان حیاًلکفرعن یمینه (ص ۱۸)

جب انہوں نے اپنی کتاب مختصر لکھی تو فرمایا اللہ ابوابراہیم (مزنی) پر رحم کرے اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ اپنی قسم کا کفارہ دیتے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ماموں کے دعوی اور پیش گوئی کے مقابلہ میں انھوں نے کتاب لکھ کر بتائی تھی۔ ایسی صورت میں غور کیا جاسکتا ہے کہ موقع ملنے کے باوجود وہ بجائے مختصر جس سے ان کے

ماموں صاحب کی پیش گوئی غلط ہوسکتی تھی تو وہ کوئی دوسری کتاب کیوں لکھتے، ان کا شروع سے نشانہ مزنی اور مزنی کی پیش گوئی ہی تھی۔ بیچارے کو جب تک زمانہ نے موقع نہ دیا (اور یہ اتفاق تھا کہ جب تک امام مزنی زندہ رہے،) طحاوی ان کی قسم توڑنے کا سامان فراہم نہ کرسکے لیکن جوں ہی ان کو پہلا موقع ملا انھوں نے سب سے پہلے شافعی مذہب کے مختصر کے مقابلہ میں ٹھیک انھیں ابواب وفصول کے ساتھ جو مزنی نے اختیار کی تھی، اپنی مختصر مرتب کی۔ یہ ہوسکتا ہے کہ پھر عمر بھر اس میں ردوبدل کاٹ پیٹ کا سلسلہ انھوں نے جاری رکھا ہو بلکہ یہ بات کہ طحاوی نے دو مختصر ایک کبیر اور ایک صغیر لکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ''کبیر،، تو ان کی اصلی کتاب ہے جو اغلب قرینہ ہے کہ قاضی ''بکار،، کے قدم بقدم ہوگی۔ پھر بعد کو انھوں نے اس کو جب سمیٹا ہوگا اسی کا نام ''مختصر صغیر،، رکھ دیا ہوگا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی نے اپنی کتاب بستان المحدثین میں امام طحاوی کے انتقال مذہب کے قصہ کو بیان فرمانے کے بعد جو یہ لکھا ہے کہ مزنی کے حلقہ کو چھوڑنے کے بعد ابوجعفر طحاوی نے

سعی بسیار کردتاانکہ درفقہ مہارت پیداکرد ومختصر تصنیف نمود کہ اورا مختصر طحاوی گویند(بستان المحدثین)(ص۸۷)

بہت کوشش فرمائی یہاں تک کہ فقہ میں مہارت پیدا کی اور کتاب مختصر کی تالیف کی جس کو مختصر الطحاوی کہتے ہیں۔(بستان المحدثین)

اس سے بھی یہی حال معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب بھی ''مختصر،، ہی کو امام طحاوی کی اس تعلیمی جدوجہد کا سب سے بڑا نصب العین سمجھتے ہیں، جس میں وہ اپنے ماموں کے یہاں سے الگ ہونے کے بعد مصروف ہوئے۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ دمشق میں طحاوی کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ طحاوی کہتے تھے: فرایت قولی الاول فرایت المزنی فی المنام وھویقول یااباجعفر غضبتک وکررھامرتین (ص ۵۶ ج ۲)

میں نے امام مزنی کو خواب میں دیکھا، وہ کہہ رہے ہیں اے ابوجعفر میں نے تمہیں غصہ دلایا اور دو مرتبہ یہ بات دہرائی۔ بظاہر اس روایت میں بیان کرنے والے نے کچھ اجزاء چھوڑ دیئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ جب مختصر کی تصنیف سے طحاوی فارغ ہوئے ہیں، (کیونکہ اس واقعہ کا ذکر اس کے بعد کیا گیا ہے) تو انھوں نے اپنی مختصر میں اپنے اس دعوے کو جو ان کے اور مزنی کے درمیان بناء مخاصمت تھی جب اپنی کتاب میں پڑھا اور ماموں کا قدرتی طور پر خیال آیا ہوگا کہ اس مسئلہ میں ان سے جھگڑا ہوا تھا، رات کو جب سوئے تو مزنی کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرمارہے ہیں کہ ''ابوجعفر! میں نے تمہیں غصہ دلایا ابوجعفر میں نے تمہیں غصہ دلایا،،۔

کنیت کے ساتھ کسی کو مخاطب کرنا عربی زبان کے محاورہ کی رو سے عزت یا محبت پر ہی دلالت کرتا ہے۔گویا ایک طرح سے معذرت اوردل کی صفائی دونوں کا اس سے اظہار ہوتا ہے۔ظاہر ہے کہ طبعاً جب امام طحاوی صبح کو اٹھے ہونگے ،خواب کا خیال آیا ہوگا، پرانا غصہ یاد آیا ہوگا۔دونوں میں خون کا رشتہ تھا ایسے موقع پر اس کا جوش میں آ جانا محل تعجب نہیں ہے۔ابن عساکر والی روایت میں اسی کے بعد جو یہ اضافہ ہے کہ

فاجتاز الطحاوی بعد ذالک بقبر المزنی فقال رحمک الله یااباابراهیم اما لو کنت حیالکفرت عن یمینک............

اس کے بعد امام طحاوی امام مزنی کی قبر پر حاضر ہوئے تو فرمایااے ابوابراہیم (مزنی) اللہ آپ پر رحم فرمائے اگر آپ (اس وقت) زندہ ہوتے تو اپنی قسم کا کفارہ دیتے۔

کچھ تعجب نہیں کہ خواب سے متاثر ہوکر امام طحاوی اسی دن غالباً ماموں کی قبر پر پہونچے ہونگے اوراب اس قسم کے کفارہ کا دوبارہ ذکر انہوں نے قبر پر کیا،میرے خیال میں بجائے تعریض کے اگر اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ اپنے ماموں کا امام شکریہ ادا کرتے تھے کہ آپ سے اس دن جھگڑے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شر سے ایک ’’خیر،، پیدا ہوگیا۔اگر آپ آج زندہ ہوتے اور میری علمی عظمت وشہرت اور میری فنی قابلیت ولیاقت کو دیکھتے ،تو خوشی سے آپ اپنی قسم کا کفارہ ادا کردیتے۔واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ قصہ پیش نہ آتا تو شاید امام طحاوی میں وہ کد نہ پیدا ہوتی جس نے ان کو باالآخر امام کے مرتبہ پر پہنچادیا۔

بہرحال یہ تو ایک نکتہ بعدالوقوع ہے۔کہتے ہیں یوں بھی امام طحاوی کی ایک گونہ عادت سی ہوگئی تھی کہ جب طلبہ کو درس دیتے ہوئے کسی پیچیدہ مسئلہ کے حل کو پیش کرتے جو خود ان کی ذاتی غور وفکر کا نتیجہ ہوتا تو بیان کرنے کے بعد عموماً اسی رحم اللہ کے فقرہ کو دہراتے ’’فوائدبهیه،،اور’’جواهر مضیئه،، میں یہ ہے کہ :

فکان (الطحاوی)اذادرس واجاب فی شئی من المشکلات یقول رحم الله خالی لوکان حیالکفرعن یمینه(ص ۱۸ الفوائدللفرنکی المحلی)

امام طحاوی جب درس دیتے اور کسی مشکل مسئلہ کا جواب دیتے تو فرماتے اللہ رحم کرے۔میرے ماموں پر اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنی قسم کا کفارہ دیتے۔

یہاں مدرسہ کا ایک دلچسپ لطیفہ قابل ذکر ہے،وہی پرانی مثل کہ ’’شعر مرا بمدرسہ کہ برو،، کہ ایک پر لطف مثال ہے۔مطلب یہ ہے کہ طحاوی کا یہ قول کہ ’’میرے ماموں کو اپنی قسم کا کفارہ دینا پڑتا اگر زندہ رہتے،،اس پر مدرسہ کے مولویوں نے ایک اعتراض جڑ دیا کہ امام مزنی نے تو ’’والله ماجاء منک شیئی ،،کہا تھا۔یعنی قسم میں صیغہ ماضی کا تھا اور واللہ کے بھی ایسے مواقع ہیں جب بغیر نیت کے سبقت لسانی کے طور پر نکل جاتا ہے تو ایسی صورت میں طحاوی کا جو مذہب ہے یعنی حنفی فقہ کی رو سے کفارہ کب

واجب ہوتا ہے، غالباً کسی ''ملا،، نے شاہ عبدالعزیز صاحب پر یہ اعتراض کیا تھا، مدرسہ میں جب اعتراض اٹھ جائے تو بھلا اس کا جواب نہ دیا جائے بغیر اس کے لوگوں کی تسلی کیسے ہوسکتی ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحد ثین میں اس کا یہ جواب دیا تھا۔

ابن حکم برمذہب مزنی است نہ برمذہب طحاوی

یعنی شافعیوں کے مذہب میں چونکہ اس قسم کی قسم جو بغیر قصدوارادہ کے ہواس پر بھی کفارہ لازم آتا ہے۔ تو مزنی کو اپنے مذہب کی رو سے تو کفارہ دینا ہی پڑتا، اور یہ ہی طحاوی کی مراد تھی۔ مگر مدرسہ کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ جو اعتراض وہاں اٹھ جائے اس پر، پھر قال اقوال کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی نے اپنی کتاب الفوائد البھیہ کے حاشیہ پر شاہ صاحب کے اس جواب پر پھر اعتراض کردیا۔

قلت هذا انما يصح اذاكان يمينه بلفظ ''لاجاء منک ،، على لفظة الماضى كمافى بعض الكتب واما اذا كان يمينه بلفظة'' يجئى ،، على الاستقبال فالكفارة واجبة فيه عندنا ايضاً كمالايخفى على ماهر الفقه

میں کہتا ہوں کہ یہ اس وقت صحیح ہے جبکہ ان کی قسم جیسا کہ بعض کتابوں میں ہے لفظ ماضی کے ساتھ ہو جب ان کی قسم لفظ مضارع یجئی کے ساتھ ہو تو اس میں ہمارے پاس بھی کفارہ واجب ہے جیسا کہ ماہر فقہ پر یہ بات پوشیدہ نہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے، کوئی قرآن کی آیت، بلکہ حدیث بھی نہیں ہے کہ مورخین بجنسہ ان الفاظ کی نقل کے ذمہ دار ہوں جو مزنی نے کہا تھا۔ میں نے کہیں نقل بھی کیا ہے کہ انھیں، کتابوں میں ''لاافلحت،، وغیرہ کے الفاظ ہی آئے ہیں۔ اس لئے اسپر بحث ہی غیر ضروری ہے، ورنہ اگر سوال اٹھایا جائے تو بہت سے اٹھ سکتے ہیں۔ مثلاً یہی کہ اگر کوئی قسم کھا کر مر جائے اور واقعہ اس کی قسم کے خلاف ظہور پذیر ہو تو قسم کھانے والے کو گناہ ہوگا یا نہیں اگر وہ ذمہ دار ہے۔ تو ورثہ کو ''اودین،، کے تحت وجوباً یا یوں ہی تبرعاً کفارہ ادا کرنا چاہئے یا نہیں۔ مگر میری غرض صرف ایک دلچسپ لطیفہ کا ذکر ہے۔ بھلا تاریخی مباحث میں اگر ان سلسلوں کو چھیڑا جائے، تو ایک واقعہ بھی ختم نہیں ہوسکتا۔ اس لطیفہ کے ایک جزو کا ذکر آگے بھی آرہا ہے۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام طحاوی کے لئے اس دن کا یہ قصہ اسی ''امراۃ سوداء کا،، ''یوم الحدیا،، ہوگیا، جس کا ذکر حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے صحیح بخاری میں ہے اور جو ہر مجلس سے اٹھتے ہوئے: **ویوم الحدیامن تعاجیب ربناالاانه من بلدةالکفر انجانی ......** اور چیل کا دن ہمارے رب کی تعجب خیز باتوں میں سے ہے سنو اس نے مجھے کفر کی بستی سے نجات دی۔

اوراب میں امام طحاوی کے اس ''یوم الحدیا،، کے **تعاجیب ربنا،،** کی کچھ تفصیل بیان کرنا چاہتا ہوں، میرا

مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ پر آئندہ جو نتائج مرتب ہوئے اب ان کو نمبر وار بیان کروں۔(جاری ہے)

حواشی

۱۔(السیوطی کی اصل عبارت یہ ہے کہ ''انہ (ای ابو جعفر الطحاوی) لیس من طحابل من طحطوطہ قریب بقریۃ طحافکرہ ان یقال لہ طحطوطی،،یعنی طحطوطی کا لفظ چونکہ ذرا بھونڈا تھا اس لئے امام طحاوی اپنے کو ''طحاوی،، سمجھنے لگے،لیکن میرے خیال میں ایک ایسے جلیل امام کی طرف غلط بیانی کا انتساب اور وہ بھی ایک لفظی وجہ سے مشکل ہے،کون کہہ سکتا ہے کہ برادران شوافع کی طرف سے یہ بھی ایک لطیفہ ہے ورنہ شامی کے مشہور محشی علامہ طحطاوی نے تو اس انتساب کو باقی رکھا اور موجودہ مصری جغرافیہ میں نیل کے کنارے طحطا نامی شہر اب بھی پایا جاتا ہے)

۲۔بعد کو لسان المیزان میں ابن حجر کی یہ عبارت بغیر کسی حوالہ کے ملی مزنی وطحاوی کے بگاڑ کی وجہ درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں،وذلک انہ کان یقراعلیہ فمرت مسئلۃ دقیقۃ فلما فھمھا ابو جعفر فبالغ المزنی فی تقریبھا فلم یتفق ذلک فغضب المزنی متفجرا ،لسان ص ۲۷۵ قیاسی طور پر ابتداء میں جس نتیجہ تک پہونچا تھا خوشی ہوئی کہ پھر ان ہی الفاظ میں حافظ ابن حجر نے واقعہ کی تفصیل بیان کی ہے۔

.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....

۱۴ سالہ اشاریہ ماہ نامہ فقہ اسلامی

اس اشاریئے کی مدد سے آپ یہ جان سکتے ہیں کہ گزشتہ چودہ برس میں کن کن موضوعات پر اس مجلّہ میں مضامین شائع ہو چکے ہیں' اور اشاریئے کی مدد سے اپنی ضرورت اور پسند کا مضمون حاصل کرنے کے لئے مطلوبہ شمارہ طلب کر سکتے ہیں۔

قیمت صرف سو روپے علاوہ ڈاک خرچ